عابد مناوری

پہلی بار ـــــــ جون سنہ ۱۹۶۱ء

تعداد ـــــــ ایک ہزار

حُسن کار ـــــــ اوم پرکاش شرما

کُتبہ ـــــــ بشیر احمد ذرّہ

طباعت ـــــــ چاند پریس جموں

قیمت ـــــــ دو روپے

عرشؔ صہبائی
کے
نام

دُعائیہ

"بہارِ غزل" عابد مناوری کے کلام کا مجموعہ ہے۔

عابد صاحب میرے ہی عزیز اور میرے ہی دامنِ ادب سے وابستہ ہیں میں اُن کے حُسنِ طبیعت اور ذوقِ شعری کا مدّاح ہوں۔ جو کچھ کہتے ہیں کافی سوچ سمجھ کر کہتے ہیں چھوٹی بحروں میں تو اُن کی شگفتہ بیانی ہر شعر کو شاخِ گل بنا دیتی ہے۔ ناظرین اِن چھوٹی بحروں میں اُن کی بہار آفریں طبیعت کا خود ہی اندازہ کر سکیں گے، اور مجھے یقین ہے کہ میرے قول کی تائید کریں گے۔

دُعا ہے کہ یہ مجموعہ دنیائے ادبِ اُردو میں حُسنِ قبول کی دولت سے مالا مال رہے۔

جوشؔ ملسیانی

نکودر

۲۹ دسمبر ۱۹۷۰ء

بہارِ غزل

رنگِ سکوتِ ناز بہارِ غزل میں ہے

سحرِ نوائے ساز بہارِ غزل میں ہے

افسانۂ نیاز بہارِ غزل میں ہے

ذکرِ ادائے ناز بہارِ غزل میں ہے

بے رنگ ہے جمالِ چمن جس کے رُوبہ رُو

وہ حُسنِ دل نواز بہارِ غزل میں ہے

یہ دِل کشی بیاں کی، یہ نُدرت خیال کی

اِک رنگِ امتیاز بہارِ غزل میں ہے

جس پر گمانِ حُسنِ حقیقت نظر کو ہو

وہ جلوۂ مجاز بہارِ غزل میں ہے

عابد کے دِل کا راز اِسی میں تلاش کر

عابد کے دِل کا راز بہارِ غزل میں ہے

جو شمعِ انجمن کو بھی حاصل نہیں ہُما

وہ سوز وہ گداز بہارِ غزل میں ہے

ہُما ہرنالوی

جالندھر شہر

۱۶ مارچ ۱۹۶۱ء

حرفے چند

شری عابدؔ مناوری کا کلام مَیں نے جستہ جستہ دیکھا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ یہ کلام واقعی جاندار اور مؤثر ہے۔ یوں تو آج کل غزل کا دامن بہت وسیع ہو گیا ہے جیسا کہ خود عابدؔ نے کہا ہے ؎

تنگ ہے دامنِ خیال اپنا
بے کراں وُسعتِ جہانِ غزل

لیکن مصرعۂ اولیٰ میں انہوں نے محض انکسار سے کام لیا ہے۔ کیونکہ ان کی غزلیات میں غمِ جاناں، غمِ دَوراں، جوشِ عمل، حقائقِ زندگی وغیرہ سب کچھ موجود ہے۔

غزل کی جان ہیں جذباتِ حُسن و عشق اور اس موضوع سے غزلیاتِ عابدؔ میں پُورا پُورا انصاف ہوا ہے۔ یہ چند شعر دیکھیے۔ اِس نوع کے اشعار کی کمی نہیں:-

گلشنِ دِل میں مہک پھیل گئی
جب تِرا پھُول سا تن یاد آیا

اَے غمِ عاشقی! ترے صدقے
زِندگی اور بھی نکھر آئی

بھُول جاؤ سمجھ کے دیوانہ
بات میری اگر گراں گزرے

لذّتِ انتظار کیا شے ہے
یہ کسی بے قرار سے پوچھو

آپ تو ہو گئے جُدا ہم سے — آپ کا غم جُدا نہیں ہوتا

اشعارِ بالا کے مؤثر، پُرخلوص اور سہل ممتنع ہونے میں کس کو کلام ہو سکتا ہے۔

اشعارِ ذیل سے جوشِ عمل اور اجتماعی عزمِ راسخ کے جذبات کی اشاریت صاف نظر آتی ہے :-

جرأتِ شوق نے ہر موج کا رُخ پھیر دیا — جب کبھی کشتی مری طُوفان سے ٹکرائی ہے

قدم چُومے ہیں آکر منزلوں نے — رہے کچھ اس طرح گرمِ سفر ہم

عشق میں جان دینے والوں نے — موت کو بھی حیات جانا ہے

(یہ شعر شہیدانِ وطن کے ولولۂ شوق کو یاد دلاتا ہے)

لرزہ براندام ہو جس سے اجل — وہ صدائے زندگی بن جائیے

حقایقِ ہستی کی تفسیر بھی جہاں جہاں ہے حُسنِ بیان سے ہرگز عاری نہیں مثلاً :-

ساری دُنیا کو بے وفا نہ کہو — ہر کوئی بے وفا نہیں ہوتا

زندگانی کی ہے توہین بڑی — زندگانی سے گُریزاں ہونا

اپنی اپنی نظر ہے اے عابدؔ
زندگی پھُول بھی ہے کانٹا بھی

آخری شعر کا بے تکلفانہ اندازِ بیان دیکھنے کے قابل ہے۔

"بہارِ غزل" میں سے اس طرح شعروں کا انتخاب پیش کرنا دسوں پیاس بُجھانا ہے۔ اور نتیجہ اِس کا تشنگی بڑھانا ہے۔ چند پھُولوں سے باغ کی بہار کا اندازہ کرنا سعیٔ لاحاصل ہے۔ سیر کا لُطف جب ہے کہ پُورے باغ پر ایک نظر ڈالی جائے۔ یقین ہے کہ شائقینِ غزل "بہارِ غزل" کی سیر سے خوشنود ہوں گے۔

تلوک چند محرؔوم

دہلی

۹، فروری ۱۹۶۱ء

تعارف

عابدؔ مناوری ایک نوجوان شاعر ہیں اور حضرت جوشؔ ملسیانی کے وسیع حلقۂ تلامذہ سے منسلک ہیں۔ اِس حلقہ کی تمام ادبی اور لسّانی خصوصیات اِن کے کلام میں بھی پائی جاتی ہیں۔ زیادہ تر غزلیں ہی کہتے ہیں اور شباب جس رندی و سرمستی اور عام حُسن دوستی کو محبوب رکھتا ہے اُس کی جھلکیاں ان کی شاعری میں نظر آتی ہیں۔

غزلوں کا دائرہ محدود ضرور ہے لیکن تقریباً نصف صدی کی لگاتار کوششوں کی بدولت غزل میں اَب سماجی ایمائیت اور سیاسی اشاریت کو برتنے کی صلاحیت پیدا ہو گئی ہے پھر بھی ہمارے نوجوان اپنی جوانی کی اُمنگوں میں زندگی کے وسیع تر حقایق کی طرف کم نظر کرتے ہیں۔ عابدؔ بھی نوجوان ہیں۔ لیکن اُن کی موجودہ غزلوں میں جابجا ایسے اشعار نظر سے گزرے ہیں جن میں زندگی کی حقیقتیں گویا چلمنوں کی آڑ سے جھانک رہی ہیں۔

عابدؔ مناوری کی زبان صاف اور ہلکی پھُلکی ہے اور یہ جوشؔ کے حلقے کی خصوصیت ہے۔ غزلوں نے زبان کی صفائی اور رچاؤ میں بڑا حصّہ لیا ہے۔ اِدھر کچھ دنوں سے ہماری زبان گراں بار ہوتی جا رہی تھی۔ اس لئے ہلکی پھُلکی زبان میں نظم کرنے کی جو کوششیں جس حلقہ

سے بھی کی جا رہی ہیں وہ قابلِ ستائش ہیں۔ مجھے اُمید ہے کہ عابد اپنی سہل نگاری کا دامن کبھی ہاتھ سے نہ جانے دیں گے اور اِسی میٹھی زبان میں زندگی کے مسائل کے اظہار کی راہیں نکالتے رہیں گے۔

اَدبی فضا میں عابد مناوری نے اپنے لئے ایک جگہ بنالی ہے۔ لیکن اِسے ابتدائے سفر ہی سمجھنا چاہیئے۔ عابد ابھی نوجوان ہیں اور اُن میں ہمّت و صلاحیت ہے۔ اِس لئے اُن سے یہی توقع ہے کہ وہ اپنے کلاسکی اَدب، موجودہ دَور کی اَدبی تخلیقات اور اپنے تجربات کو ہمہ گیر بناتے رہیں گے اور آگے ہی بڑھتے جائیں گے۔ دُعا ہے کہ اُن کا یہ مجموعہ اور بہت سے مجموعوں کا پیش خیمہ ہو۔

علی جواد زیدی

سری نگر (کشمیر)

دیباچہ

"بہارِ غزل" کا مسوّدہ دیکھ کر دِل باغ باغ ہوگیا۔ اس میں مختلف رنگ و بُو اور نُور و سُرور کی کیفیات لئے ہوئے سینکڑوں پھُول بکھرے ہوئے ہیں، یہ صحیح ہے کہ غزل کی ترقی و ترویج آجکل نقطۂ عروج پر ہے۔ حامیانِ شعر و سخن اور علمبردارانِ غزل بقدر قوّتِ بازو اس کو سنبھالے ہوئے ہیں اور بڑھائے بھی ہوئے ہیں۔ چاروں طرف اس عروسِ صنف کا بول بالا ہو رہا ہے۔ بڑے بڑے نظم نگار "اور کٹر مخالفینِ غزل" کو بھی اِس دَور میں غزل کو آنکھوں سے لگانا پڑا اور اپنی فلاح و بہبود اور شاعری کے قصر کی سلامتی اِسی میں دیکھی کہ اس زندہ و تابندہ دوشیزۂ سخن سے انحراف نہ کیا جائے؛ چنانچہ ہر شاعر ننانوے فیصدی اسی کا دلدادہ و شیفتہ نظر آتا ہے اور اس کو گلے لگانے میں فخر و ناز محسوس کر رہا ہے لیکن کسی شے کی کثرت ہی اس کی خرابی کا باعث بھی بنتی ہے۔ اس لئے اگر اس کا جائزہ لیا جائے کہ غزل کے اِس طوفانی اور ہماہمی کے دَور میں صحیح راستے اور سلامت روی کتنے حضرات اختیار کئے ہوئے ہیں اور کتنے محض نمائشی اور نقّالی قسم کی شاعری فرما رہے ہیں تو اِس جائزہ کا نتیجہ بڑا مایُوس کُن ہوگا اور پچانوے فیصدی مُتشاعر اِس طوفانِ بدتمیزی اور غول بیابانی میں بھٹکتے اور شور مچاتے نظر آئیں گے جہاں ایک طرف یہ پانچ فیصدی حضرات اپنے خونِ جگر اور سوزِ نظر سے گلستانِ غزل کو سینچ رہے ہیں، اُبھار رہے ہیں، نکھار رہے ہیں اور غزل کو ہم دوشِ ثُریّا یا ہم آغوشِ آفتاب و ماہتاب بنا رہے ہیں وہیں دوسری طرف یہ بے ہنگم غول اس باغ کے پودوں، غنچوں اور گلوں کو اپنی نمائشی مصنوعی اور نقلی شاعری سے تباہ کئے دے رہا ہے۔ بس چار کتابیں محمد اسمٰعیل میرٹھی کی پڑھ لیں اور بعض نے وہ بھی نہیں اور شاعری شروع فرما دی۔ رات کو اچھے خاصے سوئے ہیں۔ صبح اُٹھے تو شاعر۔ حیرت ہوتی ہے اور سر پھوڑنے کو جی چاہتا ہے وہ اس سخت ترین صنف کو اس قدر آسان سمجھتے ہیں کہ اُس کو فٹ بال کی طرح استعمال کرنے لگتے ہیں۔۔۔

چھ ماہ بعد ایک عدد دیوان بھی شائع کر دیں گے۔ لیجئے۔ شاعر صاحب صاحبِ دیوان بھی ہو گئے۔ اور صفِ اوّل کے شعرا میں اپنا شمار کرنے لگے اور پھر چھ ماہ بعد اپنے کو اُستاد کہلوانے اور سمجھنے کا دعویٰ کرنے لگے۔ غالب اور میر ان کے سامنے طفلِ مکتب، جوش و جگر گرد نظر آنے لگے۔ نہ حصولِ علم ضروری نہ قواعد و فن کی حاجت۔ نہ مطالعہ سے واسطہ، نہ اصلاح و مشورہ سے غرض۔ یہ سب بیکار و بے ضرورت ہیں۔ ان سے شاعری میں رکاوٹ ہوتی ہے۔ قید و بند شعر گوئی میں کیوں؟ فطری شاعر تو پیٹ سے ہی نہ صرف شاعرانہ تخیل یا شعورِ سخن کا جوہر لے کر آتا ہے بلکہ تمام علوم متداولہ سے بہرہ ور ہو کر ہی پیدا ہوتا ہے۔ ہم ان فطری شاعروں میں ہیں، اکتسابی شاعر نہیں ہیں جو علم و فن حاصل کریں۔ کیا جواب اس گمراہی، ڈھٹائی اور بے غیرتی کا۔

اگر یہ بقیہ پانچ فیصدی اکابرینِ سخن اور مجتہدین و جاں نثارانِ غزل نہ ہوتے تو آج غزل کیا پوری شاعری کبھی کی دفن ہو گئی ہوتی۔ وہ تو یہ کہئے یہ مختصر سے جاں بازانِ غزل اور ان کے متوسلین و وابستگان اس کی آبرو کو برقرار رکھے ہوئے ہیں۔ جہاں ایک طرف جلوۂ غزل کو حضرات فانیؔ، جگرؔ، سیمابؔ، حسرتؔ، فراقؔ، یگانہ وغیرہ نے نکھارا اور رنگین و روح نواز بنایا وہیں ایک طرف حضرات جوشؔ ملسیانی، نوح ناروی، تلوک چند محروم، اثرؔ لکھنوی، نحوی صدیقی، احسنؔ مارہروی، پنڈت کیفی، وحشتؔ کلکتوی، ولیؔ شاہجہانپوری اور بہت سے معماروں نے غزل کو پُروقار و سنجیدہ بنایا۔ موجودہ دور میں ان مذکرہ بزرگوں کے تربیت یافتہ نوجوان اس گلستاں کی آبیاری میں مصروف ہیں۔ انہیں معمارانِ غزل میں سے حضرت جوشؔ ملسیانی ہیں جن کا علم و فن اور شعر و ادب اور خصوصاً غزل پر بڑا احسان ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ اُن کے سکھائے پڑھائے اور تربیت پائے ہوئے متعدد نوجوان اس خدمت کو بڑے خلوص سے انجام دے کر سنّتِ غزل کو نباہ رہے ہیں۔ ابوالفصاحت حضرت جوشؔ مدظلّہٗ کے مخصوص اور ممتاز شاگردوں میں ایک ہونہار اور سعید شاگرد عابدؔ مناوری بھی ہیں۔ جو اپنے ساتھیوں کی طرح

گلستانِ غزل میں بہارِ غزل بن کر مسکرا رہے ہے۔ عابد صاحب محنت سے شعر کہتے ہیں اُستادِ محترم کے مشوروں اور اصلاحوں کو شعور و دل میں اچھی طرح جذب کرتے ہیں۔ فن و قواعد سے اِن کا کلام پاک ہے۔ زبان و محاورہ کا استعمال صحیح اور برجستہ کرتے ہیں بغرض جو جو ایک اچھے غزل گو میں خوبیاں ہونی چاہئیں وہ بقدرِ عمر اور با اندازہ مشق موجود ہیں۔ شاعرانہ جذبہ تو جس طرح ہر فطری شاعر کے شعور میں خلقی ہوتا ہے عابد صاحب میں موجود ہے لیکن اور دوسرے لوازماتِ علمی و فنی نکھار اور سجاوٹ۔ پاکیزگی و نفاست یہ سب اپنے مصلحِ اعظم حضرت جوشؔ مدظلہ سے حاصل کئے ہیں۔

لاریب شاعری، خصوصاً غزل گوئی جذبۂ فطری کے بغیر ظہور پذیر نہیں ہو سکتی مگر صرف جذبہ غریب محض اپنی طاقت سے ظہور پذیر کیسے ہو سکتا ہے جب تک کہ سلیقے سے اظہار کرنے کے سامان نہ ہوں۔ سلیقے سے اظہار کرنے کے سامان یہی علم و فن، طرزِ اسلوب، قوتِ زبان و بیان ہیں اور یہ بغیر محنت اور بغیر اکتساب کے نصیب نہیں ہوتے بغیر ان ظاہری و اکتسابی لوازم کے جذبے کا اظہار نہ صرف مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ ایک گونگا محض اشارات کر سکتا ہے، رو سکتا ہے، چلا سکتا ہے۔ بس اس طرح جذبے کا اظہار کر سکتا ہے، جسے کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ جب تک زبان و بیان کا یارانہ ہو وہ اپنا مطلب ہرگز نہیں سمجھا سکتا اور سامنے والا ہرگز نہیں سمجھ سکتا۔ پس ایسے شاعروں کو جو علم و فن اور زبان و بیان وغیرہ کے اکتساب کو غیر ضروری سمجھتے ہیں گونگا شاعر سمجھنا چاہیئے۔

عابد مناوری ایک باخبر نکتہ رس اور اہلِ نظر فنکار کے شاگرد ہیں۔ لہٰذا اُن میں بھی اپنے اُستاد کی پرچھائیاں اور فنی و شاعری کرنیں خراماں ہیں اور سنبھلے ہوئے نوجوان شاعروں کی صف میں یا سے ہیں۔

عابدؔ غزل گو شاعر ہیں اور صالح غزل کے عکاس و آئینہ دار۔ دیکھئے، یہ چند اشعار اُن کے اچھے غزل گو ہونے کی کتنی نمایاں سفارش کرتے ہیں ؎

فرق کیا تجھ میں ہم میں، اے ناصح!
تو بھی دیوانہ ہم بھی دیوانے

جب تری یاد آنے لگتی ہے
زندگی مسکرانے لگتی ہے

چاندنی تیرا جسم چھوتے ہی
بھیرویں راگ گانے لگتی ہے

دِل میں آتا ہے جب خیال ترا
بے خیالی سی چھانے لگتی ہے

موت کا نام سُنتے ہی عابدؔ
زندگی گُنگُنانے لگتی ہے

لذّتِ انتظار کیا شے ہے
یہ کسی بے قرار سے پوچھو

ان اشعار میں غزل کی زبان ہے۔ سادگی و سلاست، روانی و شگفتگی، سنجیدگی و متانت ہے۔ عابدؔ صاحب غزل کے عاشقوں میں سے ہیں۔ خود کہتے ہیں ؎

ہم نے مہکائے پھول شعروں کے
ہم نے سینچا ہے گلستانِ غزل

گو کئی مشکلات راہ میں ہیں
بڑھتا جاتا ہے کاروانِ غزل

غزلوں میں وہی گوشت پوست سے عشق، معاملاتِ دل کی باتیں، مشاہداتِ نگاہ اور وارداتِ قلبی کے مسئلے ہیں۔ ان کی عاشقی میں بانکپن ہے، حوصلہ ہے، عزم ہے۔ رونا، گڑگڑانا نہیں ہے اور نہ احساسِ کمتری کے شکار ہیں۔ نہ بے وجہ کے عجز و انکسار کے چونچلے، کہتے ہیں ؎

دل کی بازی لگانے والوں کو
فکرِ سود و زیاں نہیں ہوتی

دل میں جب سوزِ عاشقی ہی نہیں
ایسے جینے میں پھر مزا کیا ہے

لیکن محبوب سے دردمندی اور اس کا ادب و احترام کافی کرتے ہیں ؎

ہم کو اپنا خیال ہو کہ نہ ہو — لیکن اُن کا خیال پیہم ہے

جو محبت میں کھو نہیں سکتی — زیست وہ زیست ہو نہیں سکتی

سچا غزل گو شاعر وہی ہے جو غزل کی تنویروں کے ساتھ عصری پرچھائیوں پر نظر رکھے اور ارد گرد کے حالات سے باخبر رہے۔ غزل میں کافی وسعت ہے۔ اگر کہنے کا سلیقہ ہو تو غزل کے ایک ہی شعر میں ایک نظم کا مفہوم سما سکتا ہے اور نہایت پُر اثر انداز سے عابد صاحب نے بھی اس کی کوشش کی ہے کہ حیات و کائنات کی جھلکیاں غزل میں اس انداز سے جذب کی جائیں کہ نعرہ بازی اور سپاٹ پن کے عیب سے بھی بچ جائیں اور مفہوم غزل کی زبان میں ادا ہو جائے اور اس میں وہ بڑی حد تک کامیاب بھی ہوئے ہیں۔ کچھ اشعار دیکھیے ان میں ان کی یہ سعی مشکور نظر آتی ہے۔ کتنے حوصلہ افزا شعر ہیں ؎

ہماری خامشی میں مصلحت تھی — تری چالوں سے کب تھے بے خبر ہم

اگر عزم و عمل مضبوط کر لیں — بدل سکتے ہیں گردشِ شام و سحر ہم

فرسودہ شعری محفلوں سے بے نیازی اور نئے خیالوں کی تلاش ہے ؎

ترنم بر اندام ہو جس سے اے جل — وہ صدا نئے زندگی بن جائیے

وہی شمعیں، وہی ہیں پروانے — لوگ دُہرا رہے ہیں افسانے

یہ شعر دیکھیے کتنے ارتقا نواز ہیں ؎

مہر و ماہ و نجوم کچھ بھی نہیں — تو جو اپنی خودی کو پہچانے

ساری دنیا کو ان سے نسبت ہے — ہم سے وابستہ ہیں جو افسانے

کیا حقیقت افروز شعر ہے ؎

جس نے دُنیا میں حق پرستی کی — اُس کو جینے دیا نہ دُنیا نے

نظامِ معاشرہ پر طنز دیکھئے ؎

طلسم گردشِ لیل و نہار ٹوٹ گیا
مگر طوالتِ شامِ فراق کم نہ ہوئی

فراق کے لفظ نے تغزل کا بھرم بھی رکھ لیا اور ایک بات بڑے کام کی کہہ دی۔ ایک شعر اور دیکھئے، جس میں بدحالی و تباہی کا نقشہ غزل کی زبان ہی میں کھینچا ہے ؎

ہم نے دیکھا ہے بہاروں میں بھی
گلشنِ دل کا بیاباں ہونا

اور دو ایک جرأت افزا اور زندگی افروز نشتر ؎

موت کو دے رہے ہیں جو آواز
ان میں جینے کا حوصلہ ہی نہیں

گو ہزاروں الم اُٹھائے ہیں
اہلِ دل پھر بھی مُسکرائے ہیں

چشمِ باطن سے دیکھ اے عابدؔ!
زندگی خود بھی اک عبادت ہے

اس سے بڑھ کر زندگی کی کیا تعریف ہو سکتی ہے اور اس سے زیادہ اور انسان کی عظمت کیا بتائی جا سکتی ہے۔ ایک ترکیبی شعر دیکھئے کتنی سادگی سے کتنی اہم بات کہی ہے ؎

مسکرا کر بھی چوٹ کھائی ہے
چوٹ کھا کر بھی مسکراتے ہیں

شعر ہے یا پھول کی تلوار۔

ننگ و سرور اور کبر و غرور کے متوالوں کو ایک پیغام دیا ہے اور للکارا ہے ؎

عیش و عشرت میں کھیلنے والو!
لاکھوں انسان غم کے مارے ہیں

غرض کہ "بہارِ غزل" اسم بامسمیٰ ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ان کا یہ مجموعہ اہلِ نظر کے لئے تو ایک "تحفۂ دل" ثابت ہوگا۔ ویسے ابھی عابدؔ صاحب کو بہت کچھ کرنا ہے اور بہت کچھ ہونا ہے۔ وہ بہت جلد بامِ عروج پر نظر آئیں گے بشرطیکہ سلامت رو رہے

شفا گوالیاری

بھوپال ——— ۱۲ مارچ ۱۹۶۰ء

اپنی اپنی نظر ہے اے عابدؔ
زندگی پھول بھی ہے کانٹا بھی

جو بشر خُود کو بھی نہ پہچانے
وہ رمُوزِ حیات کیا جانے

وہی شمعیں وہی ہیں پروانے
لوگ دُہرا رہے ہیں افسانے

جی میں کیا آئی آج اے ناصح
آئے ہو میکدے میں سمجھانے

ہر گلی میں ہیں، ہر زباں پہ ہیں
میری دیوانگی کے افسانے

دِل کو خدشوں نے آکے گھیر لیا
لی جو چُٹکی کسی تمنّا نے

جس نے دُنیا میں حق پرستی کی
اُس کو جینے دیا نہ دُنیا نے

اُف! فریبِ جمالِ ذوقِ نظر
ہم اُنہیں آج بھی نہ پہچانے

فرق کیا تجھ میں، ہم میں اے ناصح
تُو بھی دیوانہ ہم بھی دیوانے

صاف گوئی کا یہ نتیجہ ہے
اپنے بھی ہو گئے ہیں بیگانے

ساری دُنیا کو اُن سے نسبت ہے
ہم سے وابستہ ہیں جو افسانے

مہر و ماہ و نجُوم کچھ بھی نہیں
تُو جو اپنی خُودی کو پہچانے

ہم نے دُنیا کو پھر بھی اپنایا
غم دیئے گو ہزاروں دُنیا نے

مُعجزہ ہے کہ بزمِ عابدؔ میں
رقص فرما رہے ہیں پیمانے

○

وہ اِتنی بات پر ہیں ہم سے برہم
کہ "ہاں" کہتے نہیں ہر بات پر ہم

ہمارے دل میں ہے جب شوقِ پرواز
کریں پھر کیوں نہ فکرِ بال و پر ہم

چلے ہیں شاد ہو کر جانبِ دار
وفا کو کر ہی دیں گے معتبر ہم

اگر عزم و عمل مضبوط کر لیں
بدل دیں گردشِ شام و سحر ہم

عبث شکوا کیا اُن سے جفا کا
پشیماں ہیں اب اپنی بات پر ہم

اجل کا نام دے کر زندگی کو
فسانہ کر رہے ہیں مختصر ہم

اگر بدلے نہ یہ اطوارِ محفل
چلے جائیں گے محفل چھوڑ کر ہم

چلو چھوڑو، نہ کھاؤ اور قسمیں
یقیں لائے تمہاری بات پر ہم

خطا کیا ہے ذرا یہ تو بتاؤ!
عبث کیوں ہو رہے ہو ہم پہ برہم

ہماری خامشی میں مصلحت تھی
تری چالوں سے کب تھے بے خبر ہم

سہے گا کون پھر تیری جفائیں
نہ جائیں گے ترا دل توڑ کر ہم

قدم چھُومے ہیں آ کر منزلوں نے
رہے ہیں کچھ اِس طرح گرمِ سفر ہم

زمانے کی نظر تھی ہم پہ عابدؔ
مگر تھے بے خودی میں بے خبر ہم

○

زندگی رُخ بدل رہی ہے
اُن سے اُلفت سی ہو چلی ہے

ساری دُنیا یہ کہہ رہی ہے
آپ ہی کی زیادتی ہے

ہم سے بس یہ خطا ہوئی ہے
جو حسینوں کی چاہ کی ہے

غم اُٹھانا تو بندۂ پرور
اپنی عادت سی ہو گئی ہے

گردشِ وقت سے نہ گھبرا
گردشِ وقت عارضی ہے

خُم تو خالی نہیں ہے ساقی!
یہ فقط ہم سے دل لگی ہے

آپ کیا مُسکرا رہے ہیں
زندگی مُسکرا رہی ہے

ذکر ہوتا رہا ہے پھر دوں
جب تری بات چھڑ گئی ہے

کس لئے موت سے ڈریں ہم
موت بھی ایک زندگی ہے

آپ ناراض کس لئے ہیں
ہم سے کیا بھول ہو گئی ہے

اُن کی آنکھیں یہ کہہ رہی ہیں
کتنی پُر کیف زندگی ہے

ہم نے عابدؔ اِسی زمیں میں
اور بھی اک غزل کہی ہے

○

یاد کِس کی یہ آ رہی ہے
دل میں ہل چل سی مچ گئی ہے

واقعی اِس میں زندگی ہے
ہم نے پی کر بھی دیکھ لی ہے

دُور سے مُسکرانے والو!
پاس آؤ تو بات بھی ہے

اُن کی آنکھوں میں آج ہم نے
اپنی تصویر دیکھ لی ہے

جب سے ہم عِشق کر رہے ہیں
ہم سے دُنیا خفا رہی ہے

آرزوؤں کو دِل میں رکھّو
آرزوؤں سے زندگی ہے

آسرا ہے جناب ہی کا
اب جو مرضی جناب کی ہے

دوستوں کو فریب دینا
کیا یہی رسم دوستی ہے؟

زخم دل کے بھی چھِل رہے ہیں
شعر خوانی بھی ہو رہی ہے

ذکر تو آپ کا نہیں تھا
بات میں بات آ گئی ہے

خُوش نہیں اُن کے آنے پر بھی
دِل کی فِطرت عجیب سی ہے

یہ غزل بھی تمہاری عابدؔ
ہر کسی نے پسند کی ہے

○

ہم اگر اُن سے اِلتجا کرتے
غیر ممکن تھا وہ جفا کرتے

چارۂ دردِ زیست ناممکن
چارۂ دردِ زیست کیا کرتے

عیش و عشرت میں کھیلنے والے
ہم فقیروں سے پیار کیا کرتے

تیرے غم سے نہ مِل سکی فرصت
خواہشِ اِلتفات کیا کرتے

جو نظر کو فریب دیتے ہیں
اُن نظاروں کا ذکر کیا کرتے

بے وفائی تو اُن کی فطرت ہے
اُن کی فطرت سے کیا گِلہ کرتے

دُور ہو جاتی اور بھی منزل
ہم جو تقلیدِ رہ نما کرتے

ایک مُدّت سے اپنی خواہش ہے
اُن کی آنکھوں پہ تبصرہ کرتے

کون پھر جانتا جفا کیا ہے
تم مُسلسل اگر وفا کرتے

اُن پہ مرتے تھے حضرتِ عابدؔ
جان اپنی نہ کیوں فِدا کرتے

○

سہے جاتے ہیں ہر غم خامشی سے
کہیں اُکتا نہ جائیں زندگی سے

بلا کی اِک تڑپ تھی اُن کے دِل میں
مِلے تھے گو بظاہر بے رُخی سے

نہ ہو کچھ جس کو پاسِ آدمیّت
ہمیں نفرت ہے ایسے آدمی سے

غم و آلام میں بھی مُسکرانا
کوئی سیکھے ہماری خُوش دلی سے

جفاؤں کی شکایت ہی نہیں اب
وہ پیش آئے کچھ ایسی سادگی سے

کہاں سُود و زیاں کی فکر اِن کو
غرض ہے عاشقوں کو عاشقی سے

بیاں ہم کر رہے ہیں حال اپنا
زباں کا کام لے کر خامشی سے

وہ کیا تنقید کرتے شاعری پر
نہیں کچھ ربط جن کو شاعری سے

کبھی دعویٰ تھا جن کو دوستی کا
نظر آتے ہیں اب وہ اجنبی سے

ہمارے درد کا افسانہ عابدؔ
زمانہ سُن رہا ہے خامشی سے

۲۰

رقص میں جب بھی جام آتے ہیں
راحتوں کے پیام آتے ہیں

غم کی دولت سنبھال کر رکھو
غم بھی اُلفت میں کام آتے ہیں

ٹوٹ جاتی ہے خود بہ خود توبہ
جب بھی لمحاتِ شام آتے ہیں

مُسکراتے ہیں پھُول خُوش ہو کر
کون بہ خُوش خرام آتے ہیں

بھُول جاتے ہیں غم زمانے کے
جب بھی گردش میں جام آتے ہیں

بے وفائی کا ذِکر سُن سُن کر
لب پہ یاروں کے نام آتے ہیں

شیخ پیتا نہیں مگر اِس کو
مے کی قِسموں کے نام آتے ہیں

جب بھی آتے ہیں میرے ہونٹوں پر
مہ وشوں ہی کے نام آتے ہیں

معبدوں میں بھی مُجھ کو اے عابدؔ
میکدوں سے سلام آتے ہیں

○

آج دِل کا عجیب عالم ہے
رُوح بے چین آنکھ پُرنم ہے

پھر کسی آرزُو کے مِٹنے پر
خانۂ دِل میں شورِ ماتم ہے

غمِ ہستی دیا، نوازش کی
یہ نوازش مگر بہت کم ہے

جلوہ فرما ہے بام پر کوئی
چاند تاروں میں روشنی کم ہے

اُن کے آنے کی ہے خوشی لیکن
دِل کے جانے کا بھی بہت غم ہے

حُسن ہے گو سوالِ پیچیدہ
عِشق بھی اِک خیالِ مبہم ہے

ہم کو اپنا خیال ہو کہ نہ ہو
لیکن اُن کا خیال پیہم ہے

عشق میں بے بسی اَرے توبہ!
دِل ہے یا کوئی دردِ پیہم ہے

دُھوم ہے جو کلامِ عابدؔ کی
جوشؔ[1] صاحب کا فیضِ پیہم ہے

[1] اُستاذی قبلہ جوشؔ ملسیانی

بات میں اُن کی بات آئی ہے
وجد میں کائنات آئی ہے

آپ کو دیکھ کر مرے دل میں
آرزوئے حیات آئی ہے

مژدہ اے دل کہ بن کے لال پری
میکدے میں حیات آئی ہے

آج کی رات، کاش اُرک جاؤ
بعدِ مُدّت یہ رات آئی ہے

کھول دے میکدے کا در ساقی
غم زدوں کی برات آئی ہے

پھر وہی آرزو لیے دِل میں
خواہشِ اِلتفات آئی ہے

شیخ صاحب بھی چونک اُٹھے
جب کبھی پینے کی بات آئی ہے

معجزہ ہے کہ اُن کے لب پر بھی
مجھ سے ملنے کی بات آئی ہے

تھرتھرائی ہے شمعِ محفل بھی
میرے جلنے کی بات آئی ہے

مُجھ کو شوق آشیاں بنانے کا
برق کو خبط ہے جلانے کا

لاکھ کوشش کریں بُھلانے کی
دِل نہیں اُن کو بُھول جانے کا

جب طبیعت کرے چلے آؤ
در کُھلا ہے غریب خانے کا

آہ! آتا نہیں خیال بھی اب
ایک مُدّت سے آشیانے کا

مِلنا جُلنا ہی اِک طریقہ ہے
دو دِلوں کو قریب لانے کا

حال وہ کب کسی کا سُنتے ہیں
فائدہ کیا اُنہیں سُنانے کا

بات کرتا ہوں اپنی ہی لیکن
اِس میں ہوتا ہے غم زمانے کا

دِل کو ہر وقت شوق رہتا ہے
دوستوں کے فریب کھانے کا

جب بھی چھیڑی کوئی غزل عابدؔ
دِل دھڑکنے لگا زمانے کا

○

اُن کی بیباک نظر جب کبھی شرمائی ہے
زندگی موت کی حدّوں سے پلٹ آئی ہے

ہر نظر حُسن کے جلوؤں کی تمنّائی ہے
جس کو بھی دیکھئے وہ آپ کا شیدائی ہے

جھوم کر جب سرِ میخانہ گھٹا آئی ہے
اہلِ غم کے لئے پیغامِ طرب لائی ہے

جرأتِ شوق نے ہر موج کا رُخ پھیر دیا
جب بھی کشتی مری طوفان سے ٹکرائی ہے

مُسکراتا ہوا یہ کون چمن میں آیا
جس طرف دیکھئے اِک تازہ بہار آئی ہے

پھر تری شوخ نگاہیں مجھے یاد آئی ہیں
پھر مرے دل کی ہر اِک چوٹ اُبھر آئی ہے

کبھی اُٹھے، کبھی بیٹھے، کبھی ہم تڑپے ہیں
اِک بلا آئی ہے یا شامِ فراق آئی ہے

لاکھ دھوکے دیئے گو رہبرِ منزل نے مگر
گُمرہی میری مجھے راہ پہ لے آئی ہے

اِس سے بڑھ کر ہمیں کیا داد ملے گی عابدؔ
خُوش نواؤں نے ہماری یہ غزل گائی ہے

○

جب سرِ میکدہ گھٹا چھائی
بادہ نوشوں نے زندگی پائی

کون سمجھے گا غم کی گہرائی
ہر کوئی ہے یہاں تماشائی

اے خردا یہ تو گھر ہے واعظ کا
تو یہاں کیوں ہمیں اٹھا لائی

ہم نے کی ہے فریب کھا کھا کر
حسن والوں کی ہمت افزائی

ڈوب کر پھر کوئی اُبھر نہ سکا
تیری آنکھوں کی اُف! یہ گہرائی

درحقیقت وہ ہوش والے ہیں
لوگ کہتے ہیں جن کو سودائی

ایسے پایا ہے میکدہ ہم نے
جیسے ظلمت میں روشنی پائی

جس طرف بھی نگاہ اُٹھی ہے
تیری صورت مجھے نظر آئی

میرے شعروں پہ جھوم کر عابد
داد دیتے ہیں عرشؔ صہبائی[1]

[1] برادر محترم

ہر گھڑی بے قرار سا ہے
دِل کو آخر یہ کیا ہوا ہے

آج پھر لب پہ اتفاقاً
آپ کا نام آگیا ہے

راہِ اُلفت میں دل کے ہمراہ
آرزوؤں کا قافلہ ہے

پیار سے دیکھنا تمہارا
اَب فقط ایک خواب سا ہے

شیخ بھی سخت رند نِکلا
ہم تو سمجھے تھے پارسا ہے

اُن کی آنکھوں سے حالِ دل کا
ہم نے معلوم کر لیا ہے

گو زباں کٹ چکی ہے پھر بھی
حسرتِ عرضِ مُدعا ہے

آپ عابدؔ کو ڈھونڈتے ہیں
وہ نہ جانے کہاں گیا ہے

○

شُعبدہ یہ مری نظر کا ہے — ورنہ دُنیائے رنگ ڈُبو کیا ہے

آپ ہوں، ہم ہوں، رقصِ ساغر ہو — دِل میں مُدت سے یہ تمنّا ہے

غم کا مفہُوم کیا بتائیں ہم — غم کا مفہُوم کون سمجھا ہے

گو مُخالف ہے گردشِ دَوراں — پھر بھی گردش میں جامِ صہبا ہے

اَب کہاں ہیں خلُوص کے بندے — ہر کوئی دوست مال وزر کا ہے

ہم نہ آتے تمہاری محفل میں — کیا کریں سب قصُور دل کا ہے

یہ ہے اَعجاز پارسائی کا — لبِ عابدؔ پہ ذکرِ صہبا ہے

میرے حُسنِ خلُوص کی عابدؔ
ہر کوئی مُجھ کو داد دیتا ہے

بہارِ غزل

○

جیت کا راز ہار سے پُوچھو
زیست کیا ہے یہ دار سے پُوچھو

لذّتِ اِنتظار کیا شے ہے
یہ کسی بے قرار سے پُوچھو

تلخ باتیں ہمیں پسند نہیں
جو بھی پُوچھو وہ پیار سے پُوچھو

حُسن کی بے نیازیاں کیا ہیں
اِس دلِ بے قرار سے پُوچھو

کیوں کیا ہم نے احترامِ خزاں
آرزوئے بہار سے پُوچھو

اثرِ شورشِ جنوں کیا ہے
دامنِ تار تار سے پُوچھو

کیا بتائے گا باغباں عابدؔ
گُل کا انجام خار سے پُوچھو

بہارِ غزل

○

درد کا درماں نہیں کیا کیجیے
موت بھی آساں نہیں کیا کیجیے

ہم غمِ دُنیا پہ چھا جاتے مگر
آپ ہی کی "ہاں" "نہیں" کیا کیجیے

عاشقی ہیں عاشقوں کی موت پر
عشق بھی نازاں نہیں کیا کیجیے

درد کا خواہاں بھی ہے درماں کا بھی
دِل کا کچھ ایماں نہیں کیا کیجیے

عشق ہے ہر حال ہیں گریاں مگر
حُسن بھی شاداں نہیں کیا کیجیے

زندگی کی نیک راہوں پہ آج بھی
آج کا اِنساں نہیں کیا کیجیے

شعر تو ہم اور بھی کہتے مگر
یہ زمیں آساں نہیں کیا کیجیے

○

نالے بے کار نظر آتے ہیں
اُلٹے آثار نظر آتے ہیں

بے ترے صحنِ چمن میں مجھ کو
پھول بھی خار نظر آتے ہیں

جیب و داماں ہوئے اتنے صد چاک
تار ہی تار نظر آتے ہیں

خود گُنہ گار رہے واعظ، اس کو
سب گُنہ گار نظر آتے ہیں

تیری محفل میں ترے دیوانے
کتنے ہُشیار نظر آتے ہیں

ہم کریں کس پہ بھروسہ کہ سبھی
وقت کے یار نظر آتے ہیں

آج عابدؔ جو سُنائے تم نے
تازہ اشعار نظر آتے ہیں

بہارِ غزل

○

یوں تو ہونے کو کیا نہیں ہوتا
دِل کا عُقدہ ہی وا نہیں ہوتا

آپ تو ہو گئے جُدا ہم سے
آپ کا غم جُدا نہیں ہوتا

جو کسی کی بُرائی کرتا ہے
کبھی اُس کا بھلا نہیں ہوتا

خُلد سے کر مقابلہ اے شیخ!
مے کدے میں بھی کیا نہیں ہوتا

اب کسی طور اعتبار ہمیں
آپ کی بات کا نہیں ہوتا

ساری دُنیا کو بے وفا نہ کہو
ہر کوئی بے وفا نہیں ہوتا

اپنا اپنا خیال ہے عابدؔ
ورنہ کوئی بُرا نہیں ہوتا

○

جب کبھی اُن کی یاد آتی ہے
زندگی جھُوم جھُوم جاتی ہے

تیری آنکھیں ہیں وہ مقام جہاں
مے پرستی بھی مات کھاتی ہے

جلنے آتے ہیں جب بھی پروانے
شمع کی لَو بھی تھرتھراتی ہے

میری دیوانگی نہ جانے کیوں
ہوش والوں پہ مُسکراتی ہے

زندگی مے کدے میں آتے ہی
موت کا نام بھُول جاتی ہے

آپ نے جب سے بے وفائی کی
ہم سے دُنیا وفا جتاتی ہے

دِل پہ لگتی ہے چوٹ سی عابدؔ
جب "مناور" کی یاد آتی ہے

○

چارہ سازِ بے کسی بن جائیے
آپ میری زندگی بن جائیے

لرزہ بر اندام ہو جس سے اجل
وہ صدائے زندگی بن جائیے

جلوۂ حُسنِ تخیّل کے طفیل
آپ روحِ شاعری بن جائیے

التجائے چشمِ پُرنم ہے یہی
میرے ہونٹوں کی ہنسی بن جائیے

شان بڑھ جائے غرورِ حُسن کی
عشق کی دیوانگی بن جائیے

آپ ہی سے میری مرگ و زیست ہے
جو رضا ہے آپ کی بن جائیے

حضرتِ عابدؔ تخیّل کے طفیل
آسمانِ شاعری بن جائیے

○

آسماں پر جو چاند تارے ہیں
میری آہوں کے کچھ شرارے ہیں

حاصلِ زندگی ہیں وہ لمحات
جو تری بزم میں گزارے ہیں

آپ تو ہار کر بھی جیت گئے
ہم مگر جیت کر بھی ہارے ہیں

کون سنتا ہماری دنیا میں
جب طرفدار سب تمہارے ہیں

عیش و عشرت میں کھیلنے والو!
لاکھوں انسان غم کے مارے ہیں

کون سمجھے گا داستانِ جنوں
یہ تو مبہم سے چند اشارے ہیں

خوبصورت چمن میں بھی عابدؔ
کس قدر دل شکن نظارے ہیں

○

چارہ سازوں نے کچھ کیا ہی نہیں
ورنہ کیا درد کی دوا ہی نہیں؟

ایسے چُپ ہیں وہ سُن کے بات مری
جس طرح اُس نے کچھ سُنا ہی نہیں

موت کو دے رہے ہیں جو آواز
اُن میں جینے کا حوصلہ ہی نہیں

بات کیا ہے کہ آج محفل میں
میری جانب وہ دیکھتا ہی نہیں

ابھی آئے ہو اور چل بھی دیئے
ابھی ہم نے کہا سُنا ہی نہیں

خاک سمجھے گا تُو مرے غم کو
تیرا دل درد آشنا ہی نہیں

جب سے چھوڑا ہے میکدا عابدؔ
زیست میں وہ مزا رہا ہی نہیں

○

جو محبّت میں کھو نہیں سکتی

زیست وہ زیست ہو نہیں سکتی

اے ستم گر! ستم ہی کر ہم پر

مہربانی جو ہو نہیں سکتی

آپ اِقرار کر نہیں سکتے

ہم سے تکرار ہو نہیں سکتی

چشمِ عاشق ہے کس قدر مجبور

رونا چاہے تو رو نہیں سکتی

میری کشتی ڈبونے کی جرأت

موجِ طوفاں کو ہو نہیں سکتی

بے وفا کو بھی باوفا کہہ دیں

ہم سے یہ بات ہو نہیں سکتی

اُن کی تعریف کیا کریں عابد

اُن کی تعریف ہو نہیں سکتی

بہارِ غزل

دِل پہ ایسا بھی وقت آتا ہے
شادمانی بھی جب گراں گُزرے

ہم اُسی کو حیات کہتے ہیں
جو حسینوں کے درمیاں گُزرے

بھُول جاؤ سمجھ کے دیوانہ
بات میری اگر گراں گُزرے

ہر دفعہ دِل سے حسرتیں لے کر
آرزوؤں کے کارواں گُزرے

میں تو ہوں زندگی کا متوالا
تُجھ پہ کیوں زندگی گراں گُزرے

ہم کو خُود بھی تو یہ نہیں معلوم
بے خودی میں کہاں کہاں گُزرے

حیف ہے اُس بشر پہ اے عابدؔ
زندگی جس کی بے نشاں گُزرے

O

بخت پر کس کا اختیار چلے
ہم ترے در سے اشکبار چلے

آرزو کا لہو چھڑک کر ہم
عارضِ دہر کو نکھار چلے

جانبِ دشت دیکھ اے غافل
آج پھر تیرے بے قرار چلے

اِس طرف عشق اُس طرف دُنیا
دیکھئے کس کا ہم پہ وار چلے

ہم کریں بھی تو کیا کریں ناصح
جب نہ دل ہی پہ اختیار چلے

چال تیری ہے اِس طرح جیسے
رقص کرتی ہوئی بہار چلے

کیا یہ سوچا کہ حضرتِ عابدؔ
کوئے جاناں سے سُوئے دار چلے

○

کر نہ صبر و قرار کی باتیں
یہ تو ہیں اِنتشار کی باتیں

جس کے ہونٹوں سے پھول جھڑتے ہیں
ہائے اُس گُل عذار کی باتیں

ہم ہیں دُنیا میں پیار کے بندے
کیجیے ہم سے پیار کی باتیں

کون سمجھے گا اہلِ دِل کے سوا
اِس دلِ بے قرار کی باتیں

زِیست جن کی ہوئی ہے نذرِ خزاں
اُن سے سُنیئے بہار کی باتیں

جس نے تڑپا دیا زمانے کو
ہائے اُس بے قرار کی باتیں

دِل میں ہے فکرِ روزگار مگر
لب پہ ہیں حُسنِ یار کی باتیں

○

اے مرے دوست! بہت مُشکل ہے

مُشکلِ زِیست کا آساں ہونا

دِل کی اُلجھن کا پتہ دیتا ہے

تیری زُلفوں کا پریشاں ہونا

کر گیا اور پشیمان ہمیں

حشر میں اُن کا پشیماں ہونا

ہم نے دیکھا ہے بہاروں میں کبھی

گلشنِ دِل کا بیاباں ہونا

درد کو اور ذرا بڑھنے دے

اِس کا بڑھنا تو ہے درماں ہونا

زندگانی کی ہے توہین بڑی

زندگانی سے گُریزاں ہونا

ہم نے سیکھا ہی نہیں اے عابد

غمِ دُنیا سے ہراساں ہونا

○

کبھی تم بھی اُلفت جتایا کرو
گھڑی دو گھڑی مُسکرایا کرو

فقیروں کی صُحبت بڑی چیز ہے
فقیروں سے بھی دل لگایا کرو

غمِ دہر بھی جب ستائے تمہیں
ہماری غزل گنگنایا کرو

زمانہ مرا نام لے جب کبھی
اگر ہو سکے مُسکرایا کرو

عیاں ہو نہ جائے کہیں رازِ دل
ہماری قسم یوں نہ کھایا کرو

فقیروں کی ہے بس یہی اِلتجا
اِدھر بھی کبھی آیا جایا کرو

تُمہاری یہ خُو عاملؔ اچھی نہیں
ذرا سوچ کر مُسکرایا کرو

بہارِ غزل

○

اُٹھا سازِ اُلفت بجاتا چلا جا

محبّت کے نغمے سُناتا چلا جا

کچھ اِس رنگ سے گیت گاتا چلا جا

زمانے کے دِل میں سماتا چلا جا

محبّت مسرّت، محبّت حقیقت

محبّت کے سکّے بٹھاتا چلا جا

نہ گھبرا محبّت کی دُشواریوں سے

قدم مُسکرا کر بڑھاتا چلا جا

نہیں بحرِ اُلفت کا ساحل تو کیا غم

تُو موجوں کو ساحل بناتا چلا جا

محبّت کی بستی ہے جنّت کی بستی

یہ جنّت کی بستی بساتا چلا جا

نگاہیں زمانے کی ہیں تجھ پہ عابدؔ

زمانے سے نظریں مِلاتا چلا جا

بہارِ غزل

○

ہونے دو آج اِمتحانِ غزل
کیوں پریشاں ہے جہانِ غزل

تیری مستی بھری جوانی پہ
ہو رہا ہے مجھے گُمانِ غزل

تنگ ہے دامنِ خیال اپنا
بے کراں وُسعتِ جہانِ غزل

غیر فطری اِسے جو کہتے ہیں
دل سے وہ بھی ہیں عاشقانِ غزل

تیرا منہ گو میرے شعر کی جان
میرا ہر ایک شعر جانِ غزل

ہم نے مہکائے پُھول شعروں کے
ہم نے سینچا ہے گُلستانِ غزل

گو کئی مُشکلات راہ میں ہیں
بڑھتا جاتا ہے کاروانِ غزل

بہارِ غزل

○

ہم رہے ہیں پری جمالوں میں
عمر گزری ہے حسن والوں میں

حضرتِ شیخ کو یہ کیا معلوم
کون سی شے ہے اِن پیالوں میں

شب کسی میکدے میں کاٹیں گے
دن گزاریں گے خوش جمالوں میں

حسن کچھ بھی جواب دے نہ سکا
عشق الجھا رہا سوالوں میں

اب یہ محسوس ہو رہا ہے مجھے
بس گیا ہے کوئی خیالوں میں

اک حسیں کے طفیل اے عابدؔ
اپنا چرچا ہے حسن والوں میں

○

اَب محبت یہ رنگ لائی ہے

دِل تو کیا زیست بھی پرائی ہے

تیرا غم اِس طرح ملا مجھ سے

جیسے مُدت کی آشنائی ہے

راہِ اُلفت کی مُشکلات نہ پُوچھ

جان دے کر حیات پائی ہے

جاگتے ہیں یہ چاند تارے بھی

بے تِرے کس کو نیند آئی ہے

اصل میں آپ کے قریب ہیں وہ

آپ تک جن کی نارسائی ہے

زندگی کی سحر بھی اے عابدؔ

بن کے شامِ فراق آئی ہے

○

کس کو پروائے غمِ انجام ہے

ہم کو بس اپنی وفا سے کام ہے

ترکِ الفت میں بھی یہ دیکھا اثر

آج تک لب پر تمہارا نام ہے

دشمنوں کو یوں حقارت سے نہ دیکھ

دشمنوں سے دوستوں کا نام ہے

عاشقی مایوسیوں سے کیا ڈرے

عاشقی مایوسیوں کا نام ہے

کس لئے خاموش ہے اے نامہ بر!

کیا مرے محبوب کا پیغام ہے

اُن سے ملنے کا ہے دل کو اشتیاق

جن کا ملنا اک خیالِ خام ہے

○

جینے کا سامان نہیں ہے

مرنا بھی آسان نہیں ہے

پیار کی نظروں سے وہ دیکھیں

یہ اُن کا اِیمان نہیں ہے

غم خواروں سے جا کر کہہ دو

غم کھانا آسان نہیں ہے

دیکھ رہی ہے ایک ہی جانب

آنکھ کا یہ اِیمان نہیں ہے

مرنا تو آسان ہے لیکن

مر جانا آسان نہیں ہے

سب کو تُم پہچان رہے ہو

عابدؔ سے پہچان نہیں ہے؟

○

تمہاری مشقِ ستم گو ذرا بھی کم نہ ہوئی
ہماری گردنِ خود دار پھر بھی خم نہ ہوئی

اگرچہ شیخ نے باتوں میں خوب اُلجھایا
ہماری عقل گرفتارِ پیچ و خم نہ ہوئی

طلسم گردشِ لیل و نہار ٹوٹ گیا
مگر طوالتِ شامِ فراق کم نہ ہوئی

ملی ہے جس قدر، اُتنی ہی پی گئے، یہ بجا
مگر غلط کہ ہمیں فکرِ بیش و کم نہ ہوئی

ہمارے ضبط کی دے داد اے غمِ دوراں
ہماری آہ کسی وقت شعلہ دم نہ ہوئی

غمِ حیات میں تلخی تھی اِس قدر عابدؔ
ہزاروں جام لنڈھائے مگر یہ کم نہ ہوئی

○

سایۂ زُلفِ غم گھنیرا ہے
کیا یہی زیست کا سویرا ہے

اب تو مشکل ہے سانس لینا بھی
زندگی کو اجل نے گھیرا ہے

کس جگہ راحتیں قیام کریں
دل تو رنج و الم کا ڈیرا ہے

آپ کہتے ہیں میکدہ جس کو
ہم فقیروں کا وہ بھی ڈیرا ہے

غم کا احساس کس طرح ہو مجھے
دل بھی تیرا ہے غم بھی تیرا ہے

بات کیا ہے کہ آج عابد کو
شہر کے مہ وشوں نے گھیرا ہے

○

مہربانی کی نظر ہو کر رہی

آہ اپنی با اثر ہو کر رہی

دِل مرا اثر پا گیا اِس انداز سے

بے خبر کو بھی خبر ہو کر رہی

شوقِ منزل اِس قدر تھا تیز گام

زندگی گردِ سفر ہو کر رہی

دِل بچانے کو بچایا تھا مگر

کارگر تیغِ نظر ہو کر رہی

میرے نالوں کا اثر عابدؔ نہ پوچھ

غیر کی بھی آنکھ تر ہو کر رہی

○

رنج و غم میں جو مُسکراتا ہے
زِیست کو وہ قریب پاتا ہے

ہم کہیں گے وہ آدمی ہی نہیں
اَپنی ہستی جو بھُول جاتا ہے

ہم پہ بھی آپ مہرباں تھے کبھی
وہ سماں اَب بھی یاد آتا ہے

ایک نازک سا دِل معاذ اللہ!
رنج سہتا ہے غم اُٹھاتا ہے

آپ عابدؔ کی سادگی دیکھیں
جَور سہہ کر بھی مُسکراتا ہے

○

گُلشنِ دِل میں مہک پھیل گئی
جب ترا پھُول سا تن یاد آیا

بات جب لُطفِ تغزّل کی چھڑی
مِیرؔ کا رنگِ سخن یاد آیا

رونقِ صحنِ چمن یاد آئی
یعنی وہ رشکِ چمن یاد آیا

جب بھی دیکھا ہے کوئی دیوانہ
حُسن والوں کا چلن یاد آیا

چشمِ عابدؔ سے لہو ٹپکا ہے
جب مناورؔ سا وطن یاد آیا

○

لاکھ عرضِ وفا کرے کوئی
نہ سُنیں وہ تو کیا کرے کوئی

اِس سے توہینِ عشق ہوتی ہے
اُن سے کیوں اِلتجا کرے کوئی

درد ہی دل کو جب سکُوں بخشے
کس لئے پھر دوا کرے کوئی

آپ سُنتے ہیں کب کسی کی بات
آپ سے بات کیا کرے کوئی

موت بھی اِک حیات ہے عابدؔ
موت کا خوف کیا کرے کوئی

○

آرزو جب جواں نہیں ہوتی
زندگی نغمہ خواں نہیں ہوتی

کس طرح حالِ دل بیاں کرتے
عاشقوں کی زباں نہیں ہوتی

آپ جب مہرباں نہیں ہوتے
موت بھی مہرباں نہیں ہوتی

دِل کی بازی لگانے والوں کو
فکرِ سُود و زیاں نہیں ہوتی

رنج سہہ کر بھی رات دِن عآبدؔ
ہم سے آہ و فُغاں نہیں ہوتی

○

مُلتفت وہ نظر نہیں ہوتی
شبِ غم کی سحر نہیں ہوتی

آہ و نالہ سے کیا نہیں ہوتا
ایک وہ آنکھ تر نہیں ہوتی

جب کبھی سامنے وہ ہوتے ہیں
ہم کو اپنی خبر نہیں ہوتی

وہی مرکز مری نظر کا ہے
جس کی مجھ پر نظر نہیں ہوتی

راہ رَو چلتے رہتے ہیں عابدؔ
فکرِ منزل مگر نہیں ہوتی

○

کس قدر ہے کیف پرور ساقیا

تیرے میخانے کی یہ آب و ہوا

کیا گلوں سے کہہ گئی بادِ صبا

وجد میں سارا گلستاں آگیا

میکدے پر چھائی جب کالی گھٹا

خود بہ خود ہی رقص میں جام آگیا

لذتِ غم سے نہیں جو آشنا

زندگی اُس کے لئے ہے بے مزا

کیوں نہ عابدؔ پاؤں میں دادِ سخن

فیض ہے مجھ پر جنابِ جوشؔ کا[1]

[1] ابوالفصاحت قبلہ جوشؔ ملسیانی

بہارِ غزل

○

جب تری یاد آنے لگتی ہے
زندگی مسکرانے لگتی ہے

چاندنی تیرا جسم چھوتے ہی
بھیرویں راگ گانے لگتی ہے

شب کو چلتا ہے جام کا جب دور
تیرگی جگمگانے لگتی ہے

دل میں آتا ہے جب خیال ترا
بے خیالی سی چھانے لگتی ہے

موت کا نام سنتے ہی عابدؔ
زندگی گنگنانے لگتی ہے

○

یوں وہ کرنے کو کیا نہیں کرتے
ایک ہم سے وفا نہیں کرتے

خُلد کی حُور کے تصوّر میں
حضرتِ شیخ کیا نہیں کرتے

کہنے والے یہ ٹھیک کہتے ہیں
حُسن والے وفا نہیں کرتے

ایک ہم بھی ہیں اُن میں اے واعظ!
جو کسی کا کہا نہیں کرتے

کوئی کیا جانے کس لئے عابدؔ
دردِ دل کی دوا نہیں کرتے

○

کیا کریں خوفِ گردشِ تقدیر
ہم ہیں اے دوست! صاحبِ تدبیر
تُم نے پائی ہے حُسن کی جاگیر
اور ہم ہیں تُمہارے در کے فقیر
ظرفِ رِنداں سے جو ہیں ناواقف
بن گئے ہیں وہ میکدوں کے پیر
میری نظروں میں کچھ نہیں جَچتا
جب سے دیکھی ہے آپ کی تصویر
ہر کوئی مُعتقد ہے عابدؔ کا
خُوش بیانی کی دیکھئے تاثیر

○

اِک حسیں سے نظر ملا آئے

چین آئے بھی اَب تو کیا آئے

رُوبرو اُن کے بات بھی نہ ہوئی

جرأتِ دل کو آزما آئے

جب حقیقت میں تُم ستم گر ہو

کیوں نہ لب پر مِرے گلہ آئے

جن کو ملتا ہو غم سے لُطفِ حیات

اُن کو راحت پسند کیا آئے

آنسوؤں کی زبان میں عابدؔ

ہم اُنہیں حالِ دِل سُنا آئے

○

رونقِ بزمِ خرابات کہاں

اَب وہ رِندوں سے مُلاقات کہاں

کِس طرح وجہِ عداوت پُوچھیں

ہم سے کرتے ہیں وہ اَب بات کہاں

جاتے جاتے یہ بتاتے جاؤ

پھر کبھی ہوگی مُلاقات کہاں

کیا سُنیں وعظ ترا اَے واعظ!

ہم کہاں ترکِ خرابات کہاں

گردشِ وقت رُکے کیوں عابدؔ

ہم نے کھائی ہے اُبھی مات کہاں

○

دِل کو صبر و قرار نا ممکن
عشق پر اختیار نا ممکن

اعترافِ شکست ہم کرلیں
اے غمِ روزگار! نا ممکن

عشق ہو اشکبار ممکن ہے
حُسن ہو شرمسار نا ممکن

پرسشِ غم کو وہ یہاں آئیں
اے دلِ سوگوار! نا ممکن

دِل کے اُجڑے چمن میں اے عابد
پھر سے آئے بہار نا ممکن

O

زیست جب تک بھی غرقِ جام رہی
بے خودی ہم سے ہم کلام رہی
زندگی ہو گئی تمام مگر
آرزو دِل کی ناتمام رہی
لَب بظاہر خموش تھے لیکن
آنکھ سے آنکھ ہم کلام رہی
نہ دیا گو مُقام دُنیا نے
عاشقی پھر بھی بامُقام رہی
ایک اُن کے نہ ہونے سے عابدؔ
ہر خُوشی دِل کی ناتمام رہی

O

بُجھ گئے جب راہِ اُلفت کے چراغ
روشنی دینے لگے سینے کے داغ

ہم نے سینچا تھا جو اپنے خُون سے
سوزِ غم سے جل گیا دل کا وہ باغ

رہ نُما تو آپ ہی گُم راہ تھے
خاک مِلتا اُن سے منزل کا سُراغ

میری مِنّت کا نتیجہ یہ ہوا
عرش پر اُڑنے لگا اُن کا دماغ

معبدوں میں بھی بہت ڈھونڈا مگر
کچھ نہ پایا ہم نے عابدؔ کا سُراغ

○

غمہائے روزگار سے جو لوگ ڈر گئے
وہ بد نصیب موت سے پہلے ہی مر گئے

ایسا بھی میکدے میں ہوا ہے کبھی کبھی
شیخِ حرم بھی آ کے مُناجات کر گئے

دردِ حیات، جوشِ جنوں، سوزِ عاشقی
ہم نذرِ منزلِ رسن و دار کر گئے

گرمِ سفر رہے ہیں جو دشتِ حیات میں
وہ رنج و غم کی دُھوپ میں تپ کر نکھر گئے

ہاتھوں پہ سر ہے، سر پہ کفن، چال بے دھڑک
قاتل یہ دیکھتا ہی رہا ہم گزر گئے

بہارِ غزل

اِس قدر بھی نہ ہم سے شرماؤ!
بے دھڑک سامنے چلے آؤ
ہم کِسی کی سُنا نہیں کرتے
ناصحو! تُم ہمیں نہ سمجھاؤ
بات اَدھوری رَہے تو اچھّی ہے
زَحمتِ فیصلہ نہ فرماؤ
ہم فقیروں کی اِلتجا ہے یہی
پیار سے بھی کبھی تو پیش آؤ
یُوں نہ مانیں گے ہم تمہیں عابدؔ
خُود تڑپ کر اُنہیں بھی تڑپاؤ

○

اُن کے آنے کی جب خبر آئی
فرطِ راحت سے آنکھ بھر آئی

اے غمِ عاشقی! ترے صدقے
زندگی اور بھی نکھر آئی

آپ جاتے ہوئے نظر آئے
موت آتی ہوئی نظر آئی

دل میں تیرا خیال آتے ہی
ایک تصویر سی اُتر آئی

پھر کسی کے فراق میں عابدؔ
آج بھی اپنی آنکھ بھر آئی

○

ہمارا دِل جو اِتنا پارسا ہے

تمہارے عشق میں بیمار سا ہے

کسی کے پاس عرضِ حال کرنا

تمہارے شہر میں بیکار سا ہے

یہ مانا شیخ صاحب پارسا ہیں

مگر کیا دِل بھی اِن کا پارسا ہے

یقینِ وعدۂ فردا ہو کیوں کر

ترا اِقرار بھی اِنکار سا ہے

خبر کیا ہو اُنہیں عابدؔ تمہاری

تمہارا نالہ بھی تو نارسا ہے

○

کیا تعارُف ہُوا حسینوں سے
چین دِل کو نہیں مہینوں سے

کتنی جرأت کی بات ہوتی ہے
بات کرنی بھی مہ جبینوں سے

دِل دھڑکنے لگا کناروں کا
موجیں ٹکرائیں جب سفینوں سے

کون آیا یہ بزمِ رنداں میں
مے چھلکتی ہے آبگینوں سے

دِلِ مُضطر کا ہم کو اے عابدؔ
کچھ پتہ ہی نہیں مہینوں سے

عشق میں ہم جو مر گئے ہوتے
اِک بڑا کام کر گئے ہوتے

لازماً عاقبت سنور جاتی
وہ جو پل بھر ٹھہر گئے ہوتے

نہ پروتے جو رشتۂ غم میں
دِل کے ٹُکڑے بکھر گئے ہوتے

اُن کی محفِل میں کاش اَے عابدؔ
ہم سے اہلِ نظر گئے ہوتے

○

تیری صُورت تو ہے بہت معصُوم
دِل میں لیکن ہے کیا خُدا معلُوم

ساری محفل اُداس ہے ساقی
اِک ہمیں تو نہیں یہاں مغمُوم

آ کہ لمحے یہی ہیں فرُصت کے
مَوت آجائے کب کِسے معلُوم

عابدؔ پارسا بہک ہی گیا
دیکھ کر مَست مَیکدے کا ہجُوم

٥

جس گھڑی آپ یاد آتے ہیں
ہم ہر اِک غم کو بھول جاتے ہیں

فکرِ راحت کبھی نہیں کرتے
وہ جو اُلفت کے غم اُٹھاتے ہیں

رقص میں کائنات آتی ہے
زخم جب دِل کے مُسکراتے ہیں

دَورِ ماضی کے عیش اَے عابدؔ
آج پھر یاد آئے جاتے ہیں

○

عشق آزار ہُوا جاتا ہے
جینا دشوار ہُوا جاتا ہے

غم ترا وجہِ سکوں تھا جو کبھی
دل پہ اب بار ہُوا جاتا ہے

بے ترے جلوہ نُما ہونے کے
دن شبِ تار ہُوا جاتا ہے

آپ کا ذکر سُنا کچھ ایسا
شوقِ دیدار ہُوا جاتا ہے

○

نظر کو تاب ہی اِتنی کہاں تھی
ابھی جلوہ ترا دیکھا ہی کیا ہے

وفاؤں کا صلہ کیا مانگتے ہم
وفاؤں کا صلہ ملتا ہی کیا ہے

ابھی دُنیا کا منظر اور دیکھو
ابھی تم نے یہاں دیکھا ہی کیا ہے

نہ ہوں عابدؔ اگر پیشِ نظر وہ
نظر کے سامنے ہوتا ہی کیا ہے

○

واعظو! یہ شراب خانہ ہے
ہم فقیروں کا آستانہ ہے

عشق میں جان دینے والوں نے
موت کو بھی حیات جانا ہے

رات کو خواب میں یہ دیکھا تھا
خلد میں بھی شراب خانہ ہے

روٹھنا زندگی سے اے عابدؔ
موت کا حوصلہ بڑھانا ہے

○

بزمِ ساقی ہے اور بادہ ہے
کہیئے اَے شیخ کیا ارادہ ہے

تلخیِ جامِ مئے سے اَے ساقی
تلخیِ زیست کچھ زیادہ ہے

ہر ستم کو کرم سمجھتے ہیں
اپنی فطرت بہت ہی سادہ ہے

ہر کوئی ہے رواں اسی جانب
پُرکشش مے کدے کا جادہ ہے

○

جو کسی بے کس کا غم کھاتا نہیں
وہ بشر انسان کہلاتا نہیں

مے کدے کی چند گھڑیوں کے سوا
زندگی میں کچھ مزا آتا نہیں

یاد تُم آتے ہو اکثر اُس گھڑی
یاد جب کُچھ بھی مجھے آتا نہیں

فصلِ گُل میں کیوں ہے اَے عابدؔ اُداس
کِس لئے تُو جام چھلکاتا نہیں

○

مُخالف ہوا اور پُر شور طُوفاں
مِری مَوت کے کوئی دیکھے تو ساماں
خِزاں کو گُلستاں میں دے کر بُلاوا
مناتے ہیں کُچھ لوگ جشنِ بہاراں
محبّت کی تاریک راہوں میں عابدؔ
کیا دِل کے داغوں نے ہر سُو چراغاں

○

وہ بولے مجھے بزم میں دیکھ کر
کہاں سے یہ خانہ خراب آگیا
تُمہاری نگاہیں بھی جُھکنے لگیں
مُبارک ہو تم پر شباب آگیا
کبھی ہم سے عابدؔ وہ شرما گئے
کبھی اُن کو خُود سے حجاب آگیا

○

بُت کی ہستی کچھ نہیں

بُت پرستی کچھ نہیں

دِل نہیں ہے تنگ اگر

تنگ دستی کچھ نہیں

وہ نہ ہوں دل میں اگر

دِل کی بستی کچھ نہیں

○

تصادم ہے لگا ہوں کا

کہ ٹکرائے ہیں پیمانے

ڈراتا ہے کسے واعظ

کبھی ڈرتے ہیں دیوانے

نہ ہوتے ہم اگر عابد

کہاں جاتے یہ غم خانے

○

جَلوہ اَپنا دِکھا دیا تُونے
سب کو بے خُود بنا دیا تُونے

اَے تصوّر! ترِی نوازش ہے
مُجھ کو اُن سے مِلا دیا تُونے

یہ بہت ہی بُرا کیا عاؔبد
مُفت میں دِل لُٹا دیا تُونے

○

حُسن ہے مائل کرم پھر بھی
عِشق ابھی سوگوار سا ہے کچھ

جَلوہ داغِ عِشق و اُلفت بھی
جَلوہ حُسنِ پارسا ہے کچھ

دلِ عاؔبد کبھی ایک مُدّت سے
بے ترے سوگوار سا ہے کچھ

○

ہر طرف پھیر کر نگاہوں کو
بند کر دو عدم کی راہوں کو
آج پھر توبہ توڑ ڈالی ہے
دیکھ کر آپ کی نگاہوں کو
اُن کو دیکھا جو اِک نظر عابدؔ
تازگی مِل گئی نِگاہوں کو

○

اُس ستم گر کی خُو بدل نہ سکی
ہم وفاؤں پہ ناز کر نہ سکے
کون اپنا ہے کون بیگانہ
آپ یہ اِمتیاز کر نہ سکے
جان دے کر بھی عشق میں عابدؔ
عِشق کو سرفراز کر نہ سکے

○

گو ہزاروں اَلم اُٹھائے ہیں
اہلِ دِل پھر بھی مُسکرائے ہیں
مُسکرا کر بھی چوٹ کھائی ہے
چوٹ کھا کر بھی مُسکرائے ہیں
بات کُچھ تو ضرور ہے عابدؔ
وہ اچانک جو مُسکرائے ہیں

○

وہی دِل ہے وہی بے تابئ دِل
وہی آہ و بکا ہے اور مَیں ہوں
وہ صُورت ہی نظر آتی نہیں اَب
نگاہِ نارسا ہے اور مَیں ہوں
محبّت میں نہیں ہے چین دِل کو
یہ دَردِ لادَوا ہے اور مَیں ہوں

○

تُم ہو جب خُوش ہمیں رُلانے سے
آ چکے باز آزمانے سے
کون کافر شراب پیتا ہے
ہم تو جیتے ہیں اِس بہانے سے
ہو گیا دِل کا بوجھ ہلکا سا
حالِ غم آپ کو سُنانے سے

○

عُمر بھر ہم سے وہ جُدا نہ ہُوا
عُمر بھر جِس سے ہم جُدا سے رہے
ہم ہیں وہ آج تک جو اَے ساقی!
تیرے لُطف و کرم کے پیاسے رہے
ہم سے نا آشنا تھے وہ عابدؔ
ہم سے جو لوگ آشنا سے رہے

○

اَے ساقی اِدھر پھیر نگاہوں کو ذرا
بیٹھا ہوں یہاں تیرے کرم کا پیاسا
گردن میں مری ڈال کے باہیں اپنی
آنکھوں ہی میں آنکھوں کے یہ ساغر چھلکا
پُوچھے تو ذرا حضرتِ ناصح سے کوئی
کیا فائدہ دیوانے کو سمجھانے کا

○

آ گئے لو جناب خود بھی یہاں
ہو رہی تھیں جناب کی باتیں
کوئی خانہ خراب ہی سمجھے
کِسی خانہ خراب کی باتیں
بزمِ عشاق میں ہوتی رہتی ہیں
روز و شب ہی جناب کی باتیں

○

عِشق میں جو برباد ہوئے ہیں
غم سے وہی آزاد ہوئے ہیں
دِل والوں کی بات نہ پُوچھو
دِل والے کب شاد ہوئے ہیں
غم کی تلخی سے اَے عابدؔ
میخانے ایجاد ہوئے ہیں

○

ساوَن کے دِن آئے ہیں
یاد تمھاری لائے ہیں
یا تو رات اَندھیری ہے
یا زُلفوں کے سائے ہیں
ہائے کبھی جو اَپنے تھے
اَب وہ لوگ پرائے ہیں

○

تو ہے میرے مَن کا مِیت

کیوں کر بھُولوں تیری پریت

تیری پائل کی جھنکار

جَیسے جیون کا سنگیت

سنگھی ساتھی دیکھ لئے

کون ہوا ہے دُکھ میں مِیت

○

کیا کیوں وعدہ کل کا

بھروسہ کیا اجل کا

تری اُٹھتی جوانی

کہ مطلع ہے غزل کا

ذرا پھر جھُوم عابدؔ

ذرا پھر جام چھَلکا

○

قلب و جگر کو خوگرِ آزار کر دیا

ہم نے رہِ حیات کو ہموار کر دیا

حالِ مریضِ غم تو سنبھلنے کو تھا مگر

چارہ گروں نے اور بھی بیمار کر دیا

پھر آج ہم نے ذکرِ غمِ زیست چھیڑ کر

ہر ایک دِل میں درد کو بیدار کر دیا

○

تیری رحمت کی خیر ہو یا رب

حُسن نے عشق کو پکارا ہے

تیرا انداز مُسکرانے کا

کتنا دلکش ہے کتنا پیارا ہے

موت کا روپ بھر کے اے عابدؔ

زندگی نے ہمیں پکارا ہے

چوٹ کھاؤ جگر پہ تو جانو — عشق کیا چیز ہے وفا کیا ہے

دِل میں جب سوزِ عاشقی ہی نہیں

ایسے جینے میں پھر مزا کیا ہے

آج تک یہ بھی ہم نہ جان سکے — کون سی شئے کا نام راحت ہے

چشمِ باطن سے دیکھ لے عابدؔ

زندگی خود بھی اِک عبادت ہے

راس نہ آئی راہِ محبت — دیکھ لیا ہے ہم نے چل کر

آتشِ غم میں اب تو عابدؔ

راکھ ہوا ہے دِل بھی جل کر

○

ترے عشرت کدوں سے اُپنے غمخانے ہی اَچھے ہیں
معاف اے بزمِ دُنیا ہم کو ویرانے ہی اَچھے ہیں
یہاں شیخ و برہمن میں نہیں کُچھ فرق اَے واعظ
ترے دَیر و حرم سے تو یہ میخانے ہی اَچھے ہیں

○

مے کدے میں، حرم میں، کعبہ میں
ذِکر تیرا کہاں کہاں نہ ہوا
ساری محفل تھی گوش بر آواز
ہم سے ہی حالِ دِل بیاں نہ ہوا

○

کالی گھٹائیں چھا گئیں
شوقِ مئے گُل فام کر
عابد یہی ہے زندگی
ہستی کو غرقِ جام کر

○

دیر و کعبہ سے لوگ تنگ آ کر میکدوں میں پناہ لیتے ہیں
آپ عابدؔ کو غرقِ مے کر کے
اپنے سر کیوں گناہ لیتے ہیں

○

تیری آنکھوں نے کہہ دیا سب کچھ کر نہ تکلیف جُنبشِ لب کی
پردہ داری ہمیں سے ہے عابدؔ
ورنہ اُس شوخ نے وفا کب کی

○

خوف کیا حادثاتِ عالم کا عشق کا آسرا ملا ہے مجھے
آج پھر مے کشوں کی محفل میں
عابدِؔ پارسا مِلا ہے مجھے

بہارِ غزل

بے کیفیٔ حیات کا چارہ کریں کبھی
آ! اہتمامِ ساغر و مینا کریں کبھی

تری فُرقت میں محوِ یاس رہے
فصلِ گُل میں بھی ہم اُداس رہے

وہ اُچٹتی سی نظر یاد آئی
گردشِ شام و سحر یاد آئی

تری بزم میں ہم نے کیا کیا نہ دیکھا
مگر اس طرح گویا دیکھا نہ دیکھا

ابھی سے نگاہیں چُراتے ہو کیوں تُم
حقیقت تو ہو گی عیاں رفتہ رفتہ

سرِ میخانہ جب کالی گھٹائیں جھوم کر آئیں
مری جانب سَرک کر خود ہی پیمانے چلے آئے

مرے دردِ دل میں کمی ہو رہی ہے
ترا آج پھر سامنا چاہتا ہوں

زندگانی سے کیوں نہ پیار کروں
موت سے ہمکنار ہونے تک

سرزمینِ کشمیر کے جواں سال و جواں خیال شاعر
عابد مناوری
کی
حیات آفریں نظموں اور غزلوں کا مجموعہ
موجِ صبا
(زیرِ ترتیب)
ملک کے نامور شاعرِ شباب ملت کی
نغمہ آفریں شعری تخلیق
مضراب
قیمت:- دو روپے پچھتّر نئے پیسے
اُردو کے ہر دلعزیز شاعر عرش صہبائی کے وجد آفریں شعری مجموعے
شکستِ جام
(دوسرا ایڈیشن)
قیمت:- دو روپے
شگفتِ گل
قیمت:- دو روپے پچاس نئے پیسے
پتہ:- مکتبۂ اُردو ادب، جموں